ڈھلتے سائے کی اسٹیشن اور مسافرخانہ

(مسافر، انتظار اور ادھورے سفر کی کہانیاں)

سلیمہ ریحان ترمذی، ڈھلتے سائے، کوٹ ریحان

ریل کی سیٹی جب کسی ویران پلیٹ فارم پر دیر تک گونجتی رہے تو مسافر اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کسی منزل پر پہنچنے کے لیے نہیں بیٹھے تھے۔ کوٹ ریحان کا ریلوے اسٹیشن برسوں سے ایسی ہی کیفیت میں ہے۔ نہ مکمل طور پر بند ہوا ہے اور نہ پوری طرح کھلا رہتا ہے۔ بکنگ کلرک کی کھڑکی پر لٹکا بورڈ کئی برس پرانا ہے اور اس پر درج کرایہ اب کسی مسافر کے کام کا نہیں۔ پلیٹ فارم نمبر دو پر گھاس اتنی بڑھ چکی ہے کہ پٹریاں صرف دھوپ میں چمکتی ہیں۔ اسٹیشن ماسٹر کا دفتر اب مسافرخانے کا کمرہ بن چکا ہے۔ یہاں کے مسافر وہ لوگ ہیں جو ٹکٹ لے کر نکلے تھے مگر راستے میں کہیں رک گئے۔

مسافرخانے میں اس وقت گیارہ کمرے ہیں۔ ان میں سے چار میں ریلوے کے ریٹائرڈ ملازمین رہتے ہیں جو پنشن کے انتظار میں برسوں سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ باقی کمروں میں کچھ خاندان ہیں جو کسی رشتے دار کے انتظار میں یہاں آ بیٹھے اور پھر واپس نہیں گئے۔ کمروں کی چھتوں سے پلاستر جگہ جگہ اکھڑ چکا ہے اور دیواروں پر بچوں کے ہاتھ کے نشان اور پرانے کیلنڈر ایک ساتھ موجود ہیں۔ مسافرخانے کا باورچی خانہ ایک بوڑھی عورت چلاتی ہے جو پچاس برس سے یہاں کام کر رہی ہے۔ وہ چائے میں چینی ڈالتے وقت ہر مسافر سے پوچھتی ہے کہ وہ کہاں جا رہا تھا۔

اسٹیشن ماسٹر کے دفتر میں ریکارڈ کے چند رجسٹر اب بھی محفوظ ہیں۔ ان میں روانگی اور آمد کے اندراجات 1947 سے شروع ہوتے ہیں۔ ایک رجسٹر میں صرف یہ لکھا ہے کہ فلاں دن اتنے مسافر آئے اور اتنے روانہ ہوئے۔ کوئی منزل درج نہیں۔ ریلوے کے ایک ریٹائرڈ ملازم نے بتایا کہ یہ رجسٹر اس لیے رکھا گیا تھا کہ گنتی میں فرق نہ آئے۔ اس میں کئی صفحات پر صرف ایک لکیر کھنچی ہوئی ہے جو اس دن کی خالی روانگی ظاہر کرتی ہے۔ یہ لکیر دیکھنے میں معمولی لگتی ہے مگر اس میں وہ سارا دن سمٹا ہوا ہے جس میں کوئی مسافر نہیں آیا۔

مسافرخانے کے باہر املی کا ایک درخت ہے جس کے نیچے بیٹھ کر مسافر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ یہاں چائے کا ایک ٹھیلا بھی لگتا ہے جو دوپہر کے بعد کھلتا ہے۔ ٹھیلے والا بتاتا ہے کہ اس کی بکری صبح کے مسافروں پر نہیں بلکہ شام کو آنے والے بیٹھے ہوئے لوگوں پر ہوتی ہے۔ وہ روزانہ اندازاً چالیس کپ چائے بناتا ہے اور اکثر بچ جاتی ہے۔ وہ بچی ہوئی چائے محلے کے کتوں کو ڈال دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کتے کسی سے پوچھتے نہیں کہ کہاں جانا ہے۔

مسافرخانے میں رہنے والے ایک شخص کا نام عبدالصمد ہے۔ وہ ریلوے کے محکمۂ حساب میں کلرک تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن کے کاغذات لے کر یہاں آئے تھے۔ کاغذات مکمل تھے اور دفتر سے منظور بھی ہو چکے تھے۔ مگر دستخط کرنے والا افسر تبادلے پر چلا گیا اور نئے افسر نے فائل روک لی۔ عبدالصمد کو معلوم نہیں کہ فائل اب کہاں ہے۔ وہ ہر مہینے کوٹ ریحان آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی خط آیا ہے۔ ڈاک کا ڈبہ اسٹیشن کے دفتر میں رکھا ہے اور چابی ان کے پاس ہے۔ وہ ہر خط کو کھولتے ہیں اور پھر واپس رکھ دیتے ہیں۔

اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں ایک بورڈ لگا ہے جس پر لکھا ہے کہ یہ کمرہ مسافروں کے آرام کے لیے ہے۔ کمرے میں بنچ ٹوٹے ہوئے ہیں اور ایک بنچ پر کسی نے کوئلے سے ایک نام لکھا ہے اور ساتھ تاریخ 14 جون 1968 درج ہے۔ اس نام کے ساتھ کوئی پتہ نہیں۔ شاید وہ بھی کسی مسافر کا نام ہو جو ٹکٹ لے کر نکلا تھا اور یہاں رک گیا۔ کمرے کی دیوار پر ایک گھڑی لگی ہے جس کی سوئیاں 3 بج کر 17 منٹ پر رکی ہوئی ہیں۔ گھڑی کام نہیں کرتی مگر دن میں دو بار اس کی سوئیاں اپنی جگہ پر آ جاتی ہیں۔

مسافرخانے کے باورچی خانے میں ایک لڑکا برتن دھوتا ہے جو پندرہ برس کا ہے۔ وہ کوٹ ریحان کا رہنے والا ہے اور اس مسافرخانے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں یہاں کمرہ صاف کرتی تھی اور باپ ریلوے کا خلاصی تھا۔ لڑکا کہتا ہے کہ اس کے لیے یہ جگہ گھر ہے اور باقی دنیا مسافر ہے۔ وہ نقشے میں پڑھتا ہے کہ کراچی کتنا دور ہے اور لاہور کتنا دور، مگر خود کبھی ریل میں نہیں بیٹھا۔ اس کا خواب ٹکٹ لینا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب پیسے ہوں گے تو پہلے ٹکٹ لے گا اور پھر واپس آئے گا۔ یہ واپسی کا ارادہ ہر مسافر کے ارادے سے مختلف ہے۔

مسافرخانے کے منتظم کا عہدہ اب خالی ہے۔ ریلوے کی زمین کا محکمہ اس پر غور کر رہا ہے کہ یا تو اسے بند کیا جائے یا کسی ریٹائرڈ ملازم کو عارضی طور پر مقرر کیا جائے۔ مقامی لوگ چاہتے ہیں کہ یہ جگہ بند نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی کسی کا انتظار کر سکتا ہے بغیر یہ کہے کہ وہ کیا ہے۔ ایک بزرگ نے کہا کہ ریل گاڑی آتی ہے تو سب کو پتا ہوتا ہے کہ کون آیا اور کون گیا، مگر مسافرخانے میں کوئی نہیں جانتا کہ کون کیوں رکا ہوا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ جگہ ابھی تک ویران نہیں ہوئی۔

ڈھلتے سائے کی اسٹیشن اور مسافرخانے

(مسافر، انتظار اور ادھورے سفر)

سلیمہ ریحان ترمذی / ادارۂ تذکرہ، کوٹ ریحان

ریل کی سیٹی جب کسی ویران پلیٹ فارم پر دیر تک گونجتی رہے تو مسافر اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کسی منزل پر پہنچنے کے لیے نہیں بیٹھے تھے۔ کوٹ ریحان کا ریلوے اسٹیشن برسوں سے ایسی ہی کیفیت میں ہے۔ نہ مکمل طور پر بند ہوا ہے اور نہ پوری طرح کھلا رہتا ہے۔ بکنگ کلرک کی کھڑکی پر لٹکا بورڈ کئی برس پرانا ہے اور اس پر درج کرایہ اب کسی مسافر کے کام کا نہیں۔ پلیٹ فارم نمبر دو پر گھاس اتنی بڑھ چکی ہے کہ پٹریاں صرف دھوپ میں چمکتی ہیں۔ اسٹیشن ماسٹر کا دفتر اب مسافرخانے کا کمرہ بن چکا ہے۔ یہاں کے مسافر وہ لوگ ہیں جو ٹکٹ لے کر نکلے تھے مگر راستے میں کہیں رک گئے۔

مسافرخانے میں اس وقت گیارہ کمرے ہیں۔ ان میں سے چار میں ریلوے کے ریٹائرڈ ملازمین رہتے ہیں جو پنشن کے انتظار میں برسوں سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ باقی کمروں میں کچھ خاندان ہیں جو کسی رشتے دار کے انتظار میں یہاں آ بیٹھے اور پھر واپس نہیں گئے۔ کمروں کی چھتوں سے پلاستر جگہ جگہ اکھڑ چکا ہے اور دیواروں پر بچوں کے ہاتھ کے نشان اور پرانے کیلنڈر ایک ساتھ موجود ہیں۔ مسافرخانے کا باورچی خانہ ایک بوڑھی عورت چلاتی ہے جو پچاس برس سے یہاں کام کر رہی ہے۔ وہ چائے میں چینی ڈالتے وقت ہر مسافر سے پوچھتی ہے کہ وہ کہاں جا رہا تھا۔

اسٹیشن ماسٹر کے دفتر میں ریکارڈ کے چند رجسٹر اب بھی محفوظ ہیں۔ ان میں روانگی اور آمد کے اندراجات 1947 سے شروع ہوتے ہیں۔ ایک رجسٹر میں صرف یہ لکھا ہے کہ فلاں دن اتنے مسافر آئے اور اتنے روانہ ہوئے۔ کوئی منزل درج نہیں۔ ریلوے کے ایک ریٹائرڈ ملازم نے بتایا کہ یہ رجسٹر اس لیے رکھا گیا تھا کہ گنتی میں فرق نہ آئے۔ اس میں کئی صفحات پر صرف ایک لکیر کھنچی ہوئی ہے جو اس دن کی خالی روانگی ظاہر کرتی ہے۔ یہ لکیر دیکھنے میں معمولی لگتی ہے مگر اس میں وہ سارا دن سمٹا ہوا ہے جس میں کوئی مسافر نہیں آیا۔

مسافرخانے کے باہر املی کا ایک درخت ہے جس کے نیچے بیٹھ کر مسافر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ یہاں چائے کا ایک ٹھیلا بھی لگتا ہے جو دوپہر کے بعد کھلتا ہے۔ ٹھیلے والا بتاتا ہے کہ اس کی بکری صبح کے مسافروں پر نہیں بلکہ شام کو آنے والے بیٹھے ہوئے لوگوں پر ہوتی ہے۔ وہ روزانہ اندازاً چالیس کپ چائے بناتا ہے اور اکثر بچ جاتی ہے۔ وہ بچی ہوئی چائے محلے کے کتوں کو ڈال دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کتے کسی سے پوچھتے نہیں کہ کہاں جانا ہے۔

مسافرخانے میں رہنے والے ایک شخص کا نام عبدالصمد ہے۔ وہ ریلوے کے محکمۂ حساب میں کلرک تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن کے کاغذات لے کر یہاں آئے تھے۔ کاغذات مکمل تھے اور دفتر سے منظور بھی ہو چکے تھے۔ مگر دستخط کرنے والا افسر تبادلے پر چلا گیا اور نئے افسر نے فائل روک لی۔ عبدالصمد کو معلوم نہیں کہ فائل اب کہاں ہے۔ وہ ہر مہینے کوٹ ریحان آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی خط آیا ہے۔ ڈاک کا ڈبہ اسٹیشن کے دفتر میں رکھا ہے اور چابی ان کے پاس ہے۔ وہ ہر خط کو کھولتے ہیں اور پھر واپس رکھ دیتے ہیں۔

اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں ایک بورڈ لگا ہے جس پر لکھا ہے کہ یہ کمرہ مسافروں کے آرام کے لیے ہے۔ کمرے میں بنچ ٹوٹے ہوئے ہیں اور ایک بنچ پر کسی نے کوئلے سے ایک نام لکھا ہے اور ساتھ تاریخ 14 جون 1968 درج ہے۔ اس نام کے ساتھ کوئی پتہ نہیں۔ شاید وہ بھی کسی مسافر کا نام ہو جو ٹکٹ لے کر نکلا تھا اور یہاں رک گیا۔ کمرے کی دیوار پر ایک گھڑی لگی ہے جس کی سوئیاں 3 بج کر 17 منٹ پر رکی ہوئی ہیں۔ گھڑی کام نہیں کرتی مگر دن میں دو بار اس کی سوئیاں اپنی جگہ پر آ جاتی ہیں۔

مسافرخانے کے باورچی خانے میں ایک لڑکا برتن دھوتا ہے جو پندرہ برس کا ہے۔ وہ کوٹ ریحان کا رہنے والا ہے اور اس مسافرخانے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں یہاں کمرہ صاف کرتی تھی اور باپ ریلوے کا خلاصی تھا۔ لڑکا کہتا ہے کہ اس کے لیے یہ جگہ گھر ہے اور باقی دنیا مسافر ہے۔ وہ نقشے میں پڑھتا ہے کہ کراچی کتنا دور ہے اور لاہور کتنا دور، مگر خود کبھی ریل میں نہیں بیٹھا۔ اس کا خواب ٹکٹ لینا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب پیسے ہوں گے تو پہلے ٹکٹ لے گا اور پھر واپس آئے گا۔ یہ واپسی کا ارادہ ہر مسافر کے ارادے سے مختلف ہے۔

مسافرخانے کے منتظم کا عہدہ اب خالی ہے۔ ریلوے کی زمین کا محکمہ اس پر غور کر رہا ہے کہ یا تو اسے بند کیا جائے یا کسی ریٹائرڈ ملازم کو عارضی طور پر مقرر کیا جائے۔ مقامی لوگ چاہتے ہیں کہ یہ جگہ بند نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی کسی کا انتظار کر سکتا ہے بغیر یہ کہے کہ وہ کیا ہے۔ ایک بزرگ نے کہا کہ ریل گاڑی آتی ہے تو سب کو پتا ہوتا ہے کہ کون آیا اور کون گیا، مگر مسافرخانے میں کوئی نہیں جانتا کہ کون کیوں رکا ہوا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ جگہ ابھی تک ویران نہیں ہوئی۔

ٹھنڈے پانی کی اسٹیشن اور مسافرخانے

ادارۂ تذکرہ، کوٹ ریحان

اسٹیشن ماسٹر کے دفتر میں ریکارڈ کے چند رجسٹر اب بھی محفوظ ہیں۔ ان میں روانگی اور آمد کے اندراجات 1947 سے شروع ہوتے ہیں۔ ایک رجسٹر میں صرف یہ لکھا ہے کہ فلاں دن اتنے مسافر آئے اور اتنے روانہ ہوئے۔ کوئی منزل درج نہیں۔ ریلوے کے ایک ریٹائرڈ ملازم نے بتایا کہ یہ رجسٹر اس لیے رکھا گیا تھا کہ گنتی میں فرق نہ آئے۔ اس میں کئی صفحات پر صرف ایک لکیر کھنچی ہوئی ہے جو اس دن کی خالی روانگی ظاہر کرتی ہے۔ یہ لکیر دیکھنے میں معمولی لگتی ہے مگر اس میں وہ سارا دن سمٹا ہوا ہے جس میں کوئی مسافر نہیں آیا۔

مسافرخانے کے باہر املی کا ایک درخت ہے جس کے نیچے بیٹھ کر مسافر اپنا وقت گزارتے ہیں۔ یہاں چائے کا ایک ٹھیلا بھی لگتا ہے جو دوپہر کے بعد کھلتا ہے۔ ٹھیلے والا بتاتا ہے کہ اس کی بکری صبح کے مسافروں پر نہیں بلکہ شام کو آنے والے بیٹھے ہوئے لوگوں پر ہوتی ہے۔ وہ روزانہ اندازاً چالیس کپ چائے بناتا ہے اور اکثر بچ جاتی ہے۔ وہ بچی ہوئی چائے محلے کے کتوں کو ڈال دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کتے کسی سے پوچھتے نہیں کہ کہاں جانا ہے۔

مسافرخانے میں رہنے والے ایک شخص کا نام عبدالصمد ہے۔ وہ ریلوے کے محکمۂ حساب میں کلرک تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن کے کاغذات لے کر یہاں آئے تھے۔ کاغذات مکمل تھے اور دفتر سے منظور بھی ہو چکے تھے۔ مگر دستخط کرنے والا افسر تبادلے پر چلا گیا اور نئے افسر نے فائل روک لی۔ عبدالصمد کو معلوم نہیں کہ فائل اب کہاں ہے۔ وہ ہر مہینے کوٹ ریحان آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی خط آیا ہے۔ ڈاک کا ڈبہ اسٹیشن کے دفتر میں رکھا ہے اور چابی ان کے پاس ہے۔ وہ ہر خط کو کھولتے ہیں اور پھر واپس رکھ دیتے ہیں۔

اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں ایک بورڈ لگا ہے جس پر لکھا ہے کہ یہ کمرہ مسافروں کے آرام کے لیے ہے۔ کمرے میں بنچ ٹوٹے ہوئے ہیں اور ایک بنچ پر کسی نے کوئلے سے ایک نام لکھا ہے اور ساتھ تاریخ 14 جون 1968 درج ہے۔ اس نام کے ساتھ کوئی پتہ نہیں۔ شاید وہ بھی کسی مسافر کا نام ہو جو ٹکٹ لے کر نکلا تھا اور یہاں رک گیا۔ کمرے کی دیوار پر ایک گھڑی لگی ہے جس کی سوئیاں 3 بج کر 17 منٹ پر رکی ہوئی ہیں۔ گھڑی کام نہیں کرتی مگر دن میں دو بار اس کی سوئیاں اپنی جگہ پر آ جاتی ہیں۔

مسافرخانے کے باورچی خانے میں ایک لڑکا برتن دھوتا ہے جو پندرہ برس کا ہے۔ وہ کوٹ ریحان کا رہنے والا ہے اور اس مسافرخانے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں یہاں کمرہ صاف کرتی تھی اور باپ ریلوے کا خلاصی تھا۔ لڑکا کہتا ہے کہ اس کے لیے یہ جگہ گھر ہے اور باقی دنیا مسافر ہے۔ وہ نقشے میں پڑھتا ہے کہ کراچی کتنا دور ہے اور لاہور کتنا دور، مگر خود کبھی ریل میں نہیں بیٹھا۔ اس کا خواب ٹکٹ لینا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب پیسے ہوں گے تو پہلے ٹکٹ لے گا اور پھر واپس آئے گا۔ یہ واپسی کا ارادہ ہر مسافر کے ارادے سے مختلف ہے۔

مسافرخانے کے منتظم کا عہدہ اب خالی ہے۔ ریلوے کی زمین کا محکمہ اس پر غور کر رہا ہے کہ یا تو اسے بند کیا جائے یا کسی ریٹائرڈ ملازم کو عارضی طور پر مقرر کیا جائے۔ مقامی لوگ چاہتے ہیں کہ یہ جگہ بند نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی کسی کا انتظار کر سکتا ہے بغیر یہ کہے کہ وہ کیا ہے۔ ایک بزرگ نے کہا کہ ریل گاڑی آتی ہے تو سب کو پتا ہوتا ہے کہ کون آیا اور کون گیا، مگر مسافرخانے میں کوئی نہیں جانتا کہ کون کیوں رکا ہوا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ جگہ ابھی تک ویران نہیں ہوئی۔